ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

اُردُوزبان پر مختلف زبانوں کے اثرات کا مختصر مطالعہ

A brief study of the influence of different languages on Urdu language

عثمانیہ سلطانہ
پی ایچ دی سکالر، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور
ڈاکٹر محمد ارشد اویسی
صدر شعبہ اردو، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

Abstract:

Urdu is the language of Subcontinent Indo-Pak which contains the words of Italian, German, English, Ostayian,Baltian, Baloachi, Bangala, Parakarit, Putagizian, Pashto, Panjabi, Purabi, Tamil, Turkish, Japanese, Chinies, Dakhani, Russian, Zand, Saraiki,Saryani, Sindhi,Sanskrit,Hibro, Persian,Kashmiri, Gujrati, Latin, Laddakhi,Marvadi, Marhatti,Malai, Nipali,Duch, Haryanavi, Spainish,Hindko, Hindi and Grssce Languages.

It is acclaimed as a Multi-Lingual Affected language. Although Molana Muhammad Hussain Azad calimed that it belogs to "Birg Bhasha", Dr.Shoukat Sabzwari said that it has relations with Old Vedik Language, Dr.Masood Hussain Kan relates it to Haryanvi, Dr.Suhail Bukhari relates it to Marhatti and Ain-Ul- Haq Faridkoti says that it belongs to Daradi yet there is no final decision has been made from anyone.

Keywords: Urdu, Italian, German, English, Ostayian, Baltian, Bangala, Prakarit, Pashto, Panjabi, Purabi, Tamil, Turkish, Japanese, Chinies, Dakhani, Russian, Zand, Saraiki, Saryani, Sindhi, Sanskrit, Hibro, Persian

منبع و مآخذ کی یکسانیت کے باعث اردو اور ہندی میں گہرا لسانی اشتراک موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں زبانوں کے صوتی، صرفی، نحوی اور لفظی قاعدے ایک جیسے ہیں۔ دونوں کی بنیاد کھڑی بولی ہے جب کہ کھڑی بولی، شورسینی، پراکرت، اور شورسینی اپ بھرنش کی جانشین خیال کی جاتی ہے۔ اردو اور ہندی، بول چال، ادبی، علمی، تہذیبی اور عملی سطح پر اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان کے درمیان کلچر اور رسم الخط بھی ان میں خطِ امتیاز کھینچتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں کو ایک ہی زبان سمجھنا حقیقت پسندی نہیں کہلا سکتی:

> "اُردو اور ہندی اگرچہ لسانیاتی اعتبار سے دو ہم رشتہ زبانیں ہیں اور ان کی اساس اور ماخذ مشترک ہے، نیز تاریخی اعتبار سے بھی یہ ایک دوسری سے بہت قریب ہیں لیکن اپنے ارتقا اور نشو نما کے مراحل میں بعض وجوہ سے ایک دوسرے سے دور جا پڑی ہیں۔ ان کے سماجی سیاق وسباق، تاریخی اور تہذیبی قدروں، ثقافتی میراث اور مزاج میں قابل لحاظ فرق پیدا ہو گیا ہے۔ تاہم نسبتی اعتبار سے اُردو اور ہندی کے درمیان رشتہ، ان کے بہناپے پر دلالت کرتا ہے۔"[1]

اردو زبان کا رسم الخط عربی اور فارسی سے مستعار ہے۔ پراکرتوں میں عربی، فارسی، ترکی اثرات کا پیوند لگنے کے باوجود ہندیعنی ہندوستان کی ہر چیز 'ہندی' رہی۔ یہاں تک کہ زبان بھی۔ امیر خسرو نے اسے ہندوی بھی کہا اور دہلوی بھی۔ راگ رنگ کی محفلوں کے زمانے میں اسے ریختہ کہا گیا۔ دکن میں

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

دکنی اور گجرات میں گجری کہلائی، پھر کسی نے اردو کہا، کسی نے ہندی، کسی نے کھڑی۔ اردو حقیقت میں بازاروں، گلیوں، کوچوں، میلوں ٹھیلوں، جوگیوں، سنتوں، فقیروں اور صوفیوں کی زبان ہے:

> "اس کی پشت پر ہمیشہ انسان دوستی، وسیع النظری اور محبت و یگانگت کا وہ تصور رہا جس سے قومیں عروج پاتی ہیں اور تاریخ میں کے کارناموں کے نقش جگمگاتے رہتے ہیں۔ یہی وہ زبان ہے جس کی ملتی جلتی شکلوں میں بھگتوں، سنتوں اور صوفیوں نے توحید کے ترانے گائے۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری ہوں یا حضرت بابا فرید الدین گنج شکر، حضرت نظام الدین اولیا ہوں یا خواجہ بندہ نواز گیسو دراز، رامانند ہوں یا تکارام، کبیر ہوں یا نانک، سینکڑوں صوفیوں، سنتوں اور اولیاء اللہ نے اس زبان کے سر پر شفقت اور دعاؤں کا ہاتھ رکھا اور مذہبوں کی ظاہر داری سے ہٹ کر باطنیت کے جوہر کو دیکھا، اور روحانیت اور سچی انسانیت کے پیغام سے لاکھوں کروڑوں انسانوں کے دلوں کو آباد کیا۔"[2]

شمالی اور جنوبی ہند کے ملاپ سے دونوں نے ایک دوسرے کا اثر قبول کیا۔ خاص طور پر شمالی ہند نے جنوبی ہند (دکن) کی شعری روایت کو قبول عام بخشتے ہوئے فارسی میں شعر گوئی کو ترک کر کے اردو میں طبع آزمائی شروع کی جب کہ دکن والوں نے شمالی ہند کی زبان سے استفادہ کیا۔ اس ضمن میں درج ذیل رائے ملاحظہ کیجیے:

> "اردو زبان کئی سو سال سے دلّی کے آس پاس بولی جا رہی تھی، اس لیے جب یہاں کے لوگ شاعری کی طرف متوجہ ہوئے تو انھیں ایک اچھی صاف ستھری زبان ملی، پھر بعض شعرا نے اسے اور نکھارنے کی کوشش بھی کی جیسے مظہرؔ جانِ جاناں اور حاتمؔ، اس کا یہ اثر ہوا کہ شروع ہی سے صحیح اور مناسب زبان استعمال کرنا شاعروں کے لیے ضروری ہو گیا۔ یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ شروع شروع میں ان شعرا پر فارسی اور بھاشا دونوں کا اثر ہوا مگر دھیرے دھیرے بھاشا کا اثر کم ہوتا گیا، فارسی سرکاری زبان تھی اس کا اثر بڑھتا گیا، پھر بھی اردو کی ایک آزاد حیثیت رہی۔"[3]

قیاس ہے کہ یہ نوزائیدہ زبان پرانی پنجابی اور برج سے مختلف ہو گی۔ عہدِ غزنوی کے شاعر مسعود سعد سلمان کا ہندوی کلام دستیاب نہیں ہو سکا۔ محمد عوفی نے "تذکرۂ لباب الالباب" میں مسعود نے ہندوی میں شعر کہنے تصدیق کی ہے۔ امیر خسرو نے اپنے تیسرے فارسی دیوان میں ہندوی میں شعر کہنے کا فخریہ اعتراف موجود ہے۔ امیر خسرو (وفات 1324ء) کو اردو اور ہندی والے دونوں اپنا پہلا شاعر تسلیم کرتے رہے ہیں لیکن جدید تحقیق خواجہ مسعود سعد سلمان کو اردو کا پہلا شاعر تسلیم کر چکی ہے۔

فرد واحد کے بجائے مظہر، حاتم، میر، سودا اور قائم و یقین کے دور کے سبھی اردو بولنے اور لکھنے والوں کی مساعی سے زبان کو بے انتہا وسعت دینے کے لیے ہزاروں نئے الفاظ، مصادر، محاورات، نئی تشبیہات، نئے استعارات زبان کا حصہ بنے۔ ٹھیٹھ ہندی الفاظ س کے ساتھ ساتھ کئی فارسی محاورات اور فقرات کے تراجم اردو میں رچ بس گئے۔

سر سید احمد خاں، امام بخش صہبائی اور مولانا آزاد سمجھتے ہیں کہ اردو زبان کا مولد عہدِ شاہجہان (۱۶۲۸تا۱۶۵۸ء) میں دہلی اور اس کے گرد و نواح کے علاقے ہیں۔ میر امن اور سید خدا بخش نے اس زبان کی پیدائش کو عہد اکبری (۱۵۵۶تا۱۶۰۵ء) میں مختلف قوموں کے آزادانہ میل جول کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ ڈاکٹر گلکرسٹ (Gilchrist) اپنی تصنیف 'ہندوستانی لسانیات' (Hindostani Philology) میں بیان کرتے ہیں کہ: "ہندوستانی (اردو) زبان نے

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

امیر تیمور کے حملے(۹۹-۱۳۹۸ء) کے دوران موجودہ صورت اختیار کی۔مولوی محمد حسین آزاد اور سعید مارہروی کے خیال میں اردو زبان برج بھاشا اور فارسی کی آمیزش سے معرضِ وجود میں آئی جسے زیادہ سے زیادہ قطب الدین ایبک (۱۱۹۲تا۱۲۱۰ء)کے دور سے شمار کیا جاتا ہے۔ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ اور سید سجاد ظہیر 'ہندوی' اور فارسی کی آمیزش کا زمانہ محمود غزنوی(۹۹۸تا۱۰۳۳ء)کا زمانہ قرار دیتے ہیں۔حافظ محمود شیرانی کی رائے میں اردو کا نقطۂ آغاز محمد بن قاسم کا سندھ پر حملہ(۷۱۲ء)ہے۔مغربی محققین میں سر جارج گریرسن(G.A.Grierson)اور سر چارلس لائل(Sir Charles Layall) حافظ محمود شیرانی کے خیال سے متفق دکھائی دیتے ہیں۔

اردو زبان کے ذخیرۂ الفاظ میں دنیا کی تقریباً ہر بڑی زبان کے الفاظ، روزمرہ، محاورات، ضرب الامثال اور تراکیب بعینہٖ دیگر زبانوں سے مستعار لی گئی ہیں۔ان زبانوں میں عربی، فارسی، ترکی، انگریزی، فرانسیسی اور جرمن زبانوں کے ساتھ ساتھ مقامی زبانیں یعنی پنجابی، سنسکرت، گجراتی اور دراوڑی کا نام لیا جاسکتا ہے۔لفظ ''اُردو'' ترکی یا تاتاری زبان کا لفظ ہے اور ان دونوں زبانوں میں اس کا معنی لشکر یا بازارِ لشکر ہے۔ایک اور خیال یہ ہے کہ اُردو کو لشکر سے منسوب کرنے کے بجائے اردشہر یا اردبیل(قدیم شاہانِ ایران) کا مشتق ہے۔تاہم انگریزی کا لفظ(Horde)اردو کے لیے مستعمل ہے:

> ''اگر ''اُردو لسانیات'' کا بغور مطالعہ کیا جائے تو علم ہوتا ہے کہ لفظ اُردو کے متعلق بہت کچھ لکھا جاچکا ہے۔لفظ ''اُردو'' بذات خود ترکی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ''لشکر'' یا ''خیمہ'' ہے۔۔۔۔ہمارا انگریزی(Horde) بھی اس(اُردو) سے متعلق کہا جاتا ہے۔''[4]

اس ضمن میں ایک اور رائے قابلِ غور ہے:

> ''اُردو میں برعظیم پاک وہند کی علاقائی بولیوں سمیت اکتالیس زبانوں کے الفاظ شامل ہیں جن میں اطالوی، جرمن، انگریزی، اوستائی، بلتی، بلوچی، بنگلہ، پراکرت، پرتگالی، پشتو، پنجابی، پوربی، تامل، ترکی، جاپانی، جرمن، چینی، دکھنی، روسی، ژند(قدیم ایرانی بولی)، سرائیکی، سریانی، سندھی، سنسکرت، عبرانی، فارسی، کشمیری، گجراتی، لاطینی، لداخی، مارواڑی، مرہٹی، ملائی، نیپالی، ولندیزی، ہریانوی، ہسپانوی، ہندکو، ہندی، یونانی۔مولانا ابوالکلام آزاد کی زبان میں تعریب و تفریس کی انتہا ہے اور مولانا اشرف علی تھانوی کی تفسیر قرآن میں(جو اردو میں ہے) عربی الفاظ کی اوسط فی صفحہ ۱۵۸ ہے۔اردو میں اس وقت ۲۰ سے ۴۵ فیصد الفاظ انگریزی کے ہوتے ہیں۔اس سے پتا چلتا ہے کہ اردو زبان پر بہت سی بولیوں کے اثرات پڑتے رہتے ہیں۔''[5]

ڈاکٹر حامد حسن قادری اُردو کو غیر آریائی زبان سمجھتے ہیں۔ان کا خیال ہے کہ اُردو سنسکرت سے پہلے وجود میں آئی اور اس کے قواعد سنسکرت کے قواعد سے یکسر جدا ہیں۔حافظ محمود شیرانی کی ''پنجاب میں اُردو'' ۱۹۲۸ء میں شائع ہوئی جب کہ ''دکن میں اُردو'' ۱۹۲۳ء میں طبع ہوئی لیکن لسانی اور لسانیاتی سطح پر اور نظریہ سازی کی بنا پر ''پنجاب میں اُردو'' خصوصی اہمیت کی حامل ہے:

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

"کسی خاص خطے یامقام سے اُردوزبان کو مخصوص کرنے کے پہلوبہ پہلوماہرین کے لسانی نظریات بھی ملتے ہیں جنھوں نے اُردوکاکسی خاص بولی یازبان سے تعلق جوڑا۔اس ضمن میں مولانامحمد حسین آزاد(برج بھاشا)،ڈاکٹرشوکت سبزواری(قدیم ویدک بولی) ڈاکٹرمسعود حسین خاں(ہریانوی)ڈاکٹرسہیل بخاری(مرہٹی)اور عین الحق فرید کوٹی(دراوڑی)وغیرہ ہیں۔"[6]

کھڑی بولی'یاہندوستانی دراصل'میرٹھ'اور'دلی'کی زبان ہے۔اس زبان کانام'کھڑی'ہندوادیبوں کادیاہوا ہے۔گریرسن،اور مغربی مصنفین اس کو'ہندوستانی'کے نام سے یاد کرتے ہیں۔"ہندوستانی"کے دوروپ ہیں۔ایک عام بول چال کی'ہندوستانی'دوسرے ادبی،ہندوستانی'۔ادبی'ہندوستانی'کواردو کہتے ہیں۔جس میں'سنسکرت'تت سم یعنی اصل الفاظ کی آمیزش زیادہ ہوتی ہے وہ'ہندی'کہلاتی ہے۔ادبی'ہندوستانی'یا'اُردو' پاک وہند کی عام ملکی اور قومی زبان ہے ۔عام ہندوستانی بولی کی حدود مغرب میں'پنجابی'اور'بانگڑو'، شمال میں وسطی اور غربی پہاڑی بولیوں تک محیط ہیں۔جنوب اور مشرق میں'برج بھاشا'ہرچند صوتی اور صرفی اعتبار سے یہ'برج'سے بہت قریب ہے لیکن اردو کی اپنی ایک جداگانہ حیثیت ہے:

"گریرسن'نے'ہریانی'کو'اردو'کاایک روپ اور'قنوجی'وبندیلی کو'برج'کی کسی قدربدلی ہوئی صورت بتایاہے۔"[7]

چھے سوبرس تک ہندی یاہندوی زبان مشترکہ ثقافت کی علامت رہی لیکن سترھویں صدی کے اختتام اور اٹھارھوں صدی کے آغاز میں اردواور ہندی کی تقسیم شروع ہوگئی۔۔چند مسلمان مشاہیر نے اردومیں سے ہندی اور سنسکرت الفاظ کو نکال کر اسے فصیح بنانے کی مہم شروع کی۔عربی اور فارسی زبان کے زیادہ سے زیاہ الفاظ شامل کیے۔شاہ حاتم،مظہر جانِ جاناں اور شیخ امام بخش ناسخ اس مہم میں پیش پیش تھے۔ولی دکنی کی دہلی آمد پر یہ تحریک عروج پر تھی۔سعد اللہ گلشن کی نصیحت پر ولی دکنی نے شاہ جہان آباد کی فصیح اردومیں اپنی شاعری کوڈھالناشروع کیا۔

مغل سلطنت کے کمزور ہوتے ہی انتشار بڑھا۔بہت سے شعرااودھ چلے گئے۔یوں دلّی کے بعد لکھنؤ بھی اردو شعروادب کاایک بڑامرکز قرارپایا۔کچھ ہی عرصہ بعد لکھنؤکی زبان،اندازِبیان،صنعتوں کے استعمال اور خیالات اور جذبات کے انتخاب میں تبدیلی رونماہوئی۔زبان تو اردورہی لیکن چند الفاظ ومحاورات،بعض الفاظ کی تذکیروتانیث اور سب سے بڑھ کرلب ولہجہ میں نماں فرق آگیا۔علم بیان اور صنائع لفظی ومعنوی کااستعمال دہلی کی نسبت لکھنؤ میں ان کا استعمال زیادہ ہونے لگا۔الفاظ ومحاورات اورزبان کی صحت وغیرہ پرضرورت سے زیادہ زوردیے جانے کے باعث خیال آفرینی کی طرف توجہ کم ہوگئی اور معمولی ،بناوٹی اوربے کیف خیالات کو بھی دل چسپ اندازسے اداکرنے کوشاعری کی روح سمجھاجانے لگا۔اس طرح لکھنوی شاعری الفاظ کاگورکھ دھندابن کررہ گئی۔

لکھنؤکے دبستان کے بیش تر شعرا دہلی کی تباہی کے نتیجے میں لکھنؤہجرت کرکے آگئے۔معروف مہاجر شعرامیں خان آرزوؔ،قمرالدین منتؔ،میر ضاحک،سوداؔ،میر سوزؔ،اورمیر حسنؔ یہ سب نواب شجاع الدولہ کے عہد(75-1754) میں اور میرؔ،مصحفیؔ،انشاؔ،جرأتؔ،رنگینؔ وغیرہ آصف الدولہ کے دور میں لکھنؤ پہنچے۔ان میں سے بعض شعرانے تواپنادہلوی اندازترک نہ کیالیکن کچھ شعرالکھنوی رنگ میں رنگ گئے۔اس حوالے سے یہ رائے دیکھیے:

"میرؔاور سوداؔتوپختہ طبع تھے اس لیے لکھنؤ آکر بھی انہوں نے اپنی شاعرانہ وضع نہ بدلی لیکن انشا،جرأت اوررنگین وغیرہ نے اس مخصوص رنگِ سخن کوچوکھاکیاجودربار کے پرتعیش ماحول کی بناپرعوام اور معاشرہ میں مقبول ہوتاجارہاتھا۔مصحفیؔ کامزاج اورانداز سخن تواورہی تھالیکن انشاسے چپقلش کی بناپرانہوں نے خود کوشعوری طورپر لکھنوی رنگ میں رنگنے کی سعی کی۔"[8]

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

اردوکے ستّرفیصدی الفاظ کو ہندی الاصل کہاجاتاہے۔جواشتراک اردواورہندی کی لفظیات (Lexicon)، صرفیات(Morphology)اورنحویات(Syntax)میں موجودہے،شایدہی دنیاکی کسی دوزبانوں میں پایاجاتاہو۔اردوکی تقریباًچالیس آوازوں میں سے زیادہ تر ہندی اوراردوکے اشتراک کانتیجہ ہیں ۔خاص طورپرہکار(Aspirated) آوازیں، پھ،بھ،تھ،دھ،چھ،جھ،کھ گھ اپنے سادہ روپ کے ساتھ ہندی اوراردودونوں میں موجودہیں۔اسی طرح معکوسی(Retroflex)آوازیں یعنی ٹ،ڈ،ڑاوران کے ہکارروپ ٹھ،ڈھ،ڑھ بھی ہندی اوراردومیں مشترک ہیں۔یہ چودہ آوازیں عربی اور فارسی میں نہیں ہیں۔گویاگنتی کی چندآوازوں کے علاوہ اردواورہندی کے مصمتوں (Consonants) کاڈھانچہ ایک جیساہے۔مصوتوں(Wovels)میں صوتی ہم آہنگی سوفیصدہے۔تاہم ایک رائے یہ بھی ہے کہ اردوکے پینسٹھ(۶۵)فی صدالفاظ فارسی زبان سے مستعار لیے گئے ہیں۔

صرف ونحوکے اعتبارسے کوئی جملہ بولیے ہندی میں یااردومیں،الفاظ کافرق توہے لیکن الفاظ کی ترتیب بالکل ایک جیسی ہوتی ہے۔اگرتذکیروتانیث یاروزمرہ یامحاورے کافرق کہیں موجودہے تو اتنافرق اردوکے مختلف لہجوں میں بھی پایا جاتاہے۔اردوفعل سازی کاساراسرمایہ ہندی سے وابستہ ہے،اٹھنا،بیٹھنا،کھانا،پینا،لینا،دینا،آناجانا،رہناسہنا،سوناجاگنا،سیکڑوں ہزاروں فعل ہندی اوراردومیں ایک جیسے ہیں۔اردونے بہت سے افعال کوعربی وفارسی سے لے کرہندی وضع پرڈھال لیا۔مثلاًفرمانا،آزمانا،خریدنا،شرمانا،گزرنا،نرمانا،گرمانا،لرزنا،خرچنا،رنگنا،نوازنا،بخشنا۔یہ سب ہندی میں بھی مستعمل ہیں۔

اردومیں فارسی،عربی الفاظ کوہندی الفاظ کے ساتھ ملاکرسیکڑوں نئے مرکب بنے جوہندی اردودونوں زبانوں میں یکساں رائج ہیں،جیسے؛ ڈاک خانہ،عجائب گھر،چٹھی رساں گلاب جامن،جگت استاد،شرمیلا،رنگیلا،سبزی منڈی،گھڑسوار،دل لگی،گھرداماد،گھڑی ساز،تھانےداریالنگوٹیایار،بے گھر،بے سمجھ،بے کل،بے بس،بے چین،بے ڈول،سدابہار،دیوانہ پن،چوہے دان،کٹوردان،سنگھاردان،امام باڑے،نوچندی،دل لگی باز،اکڑباز،دھوکہ باز،بٹیرباز، پتنگ باز،چوسربازی،اورپھکڑبازی ہندوستانی سماج سے بھڑک دارکپڑے،بل داردوپٹے،بیل دارپلنگ پوش،توڑےداریاٹوپی داربندوقیں۔فارسی،عربی اورہندی کے یہ ملے جلے لفظ،یاگنگاجمنی لفظ کی بڑی تعدادراردواورہندی دونوں میں آج بھی کثرت سے استعمال ہوتے ہیں۔دھاری دار،جالی داراورپھول دارچادریں،چوڑی دارپاجامے،موتی مسجداورموتی محل بھی بنیادی لفظیات(Basic Lexicon)کاحصہ ہیں:

> ”اردوہندآریائی زبان ہے اورہندی سے اس کااٹوٹ رشتہ ہے۔یہ اگرصحیح ہے تواردوکسی بھی دوسری زبان کانقشِ ثانی کیسے ہوسکتی ہے۔اردولفظیات کابہ مشکل ایک تہائی حصہ فارسی،عربی،ترکی سے مستعارہے لیکن ان لفظوں کوبھی اردونے کس طرح اپنی خرادپراتارااورکس طرح انھیں اپنایا۔اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ تہنید اور تاریدکایہ عمل صرف آوازوں کے ساتھ ہی نہیں ہواہے،لفظوں اورترکیبوں کے ساتھ بھی ہواہے۔طوالت کے خوف سے صرف ایک مثال دی جائے گی۔اردومیں ذ،ز،ض،ظ چارالگ حرف ہیں لیکن آوازایک رہ گئی ہے۔عربی میں ان چارحروف کی چارمختلف آوازیں ہیں۔اردومیں یہ سب آوازیں ایک ہوگئیں۔ایساکئی دوسرے حروف کے ساتھ بھی ہواہے جن کی نوعیت یکسربدل گئی ہے،یہ سب اردوانے کے ہندوستانی عمل کاکرشمہ ہے۔“[9]

ڈاکٹرجمیل جالبی رقم طرازہیں:

> ”ردعمل کی تحریک نے اس دورکی اردوشاعری کوایہام کی قیدبےجاسے آزادکرکے نئے امکانات سے روشناس کیااوراس کے سامنے وسیع راستے کھول دیئے۔فارسی شاعری کاوہ حصہ،جوایہام کے رواج کے

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

باعث عدم توجہی کا باعث تھا، اردو شاعری کی دسترس میں آگیا، اسی کے ساتھ فارسی شاعری کے سارے اسالیب، اصناف اور ہیئت اردو شاعری کے لیے قابلِ قبول ہوگئے اور ایک پختہ کار زبان کی شاعری اور اس کے تمام موضوعات، تصوف، واردات عشق، اخلاقیات، خمریات، رندی و درویشی، حیات وکائنات کے مسائل بھی اس کے تصرف میں آگئے۔ فارسی آہنگ ولہجہ، اس کی لحن اور لے، استعارات وتشبیہات کا رنگ ومزاج، رمزیات وصنعیات، علامات اور تلمیحات، بندش وتراکیب نے اردو شاعری کا رخ بدل دیا اور میر، سودا، درد جیسے شاعروں کے لیے راستہ صاف کر دیا۔ رد عمل کی تحریک کے زیر اثر اب شاعری تلاش الفاظ تازہ کی بجائے جذبات وواردات عشق کے فطری وبے ساختہ اظہار کا ذریعہ بن گئی۔ دوسری بڑی تبدیلی شعر کی زبان میں آئی ولی دکنی کے بجائے شاہ جہاں آباد کی اردوئے معلّٰی نے لے لی۔"[10]

ولی دکنی کے عہد کے بہت سے الفاظ کا املا میر تقی میر کے ہاں تبدیل ہو جاتا ہے، جیسے؛ 'کئی' کو 'کوئی'، 'نزیک' کو 'نزدیک'، 'اون سوا" کو 'ان کے سوا'، 'سیں۔ سیوں۔ سیتی' کو 'سے'، 'چند' کو 'چاند'، 'اتا' کو 'اتنا'، 'دارو' دوا'، 'منے' کو 'میں'، 'کیتا' کو 'کیا'، 'تئیں' کو 'نہیں'، 'اچھے' کو 'ہے'، 'کارمت' کو 'کرمت'، 'کوں' کو 'کو'، 'کن رکنے' کو 'پاس'، 'کدھی' کو 'کبھی'، 'جھلکار' کو 'جھلک'، 'جالے' کو 'جلائے'، 'جیو' کو 'جی'، 'جنہوں آگے' کو 'جن کے آگے'، 'تجھ بھواں' کو 'تیری بھوؤں'، 'سرج' کو 'سورج'، 'کسو' کو 'کسی'، 'دکھو' کو 'دیکھو'، 'جھٹا' کو 'جھوٹا'، 'دکھا' کو 'دیکھا'، 'بیجلی' کو 'بجلی'، 'تمنا' کو 'تمہارے' وغیرہ

میرؔ وسوداؔ کے ہاں وہ قدیم متروک الفاظ بھی مستعمل ہیں۔ لیکن ان قدیم اور متروک الفاظ کو اصلاح یافتہ صورت بھی پیش کیا ہے۔ ان الفاظ میں 'آگو (آگے)، قلابا (قلابہ)، پیچھو (پیچھے)، تدھر (ادھر) لیکن تابع مہمل کی صورت میں 'جدھر تدھر' اب بھی استعمال کی جاتی ہے، ملیاں (ملیں)، اس کے گئے (اس کے جانے کے بعد)، تیں (تُو، تُونے) ارنہ (وگرنہ، ورنہ)، ان نے (اس نے)، یاتیئں (یاں تک)، کریو (کیجیو، کرنا)، جدی (جدا) رون (رونا)، اپر (اوپر)، کسو (کسی)، اودھر (اُدھر)، بات (بتا)، کبھو (کبھی)، کنے (پاس)، بآں کہ (باوجود یکہ)، نشا (نشہ)، تجھ تئیں (تجھ تک)، لیک (لیکن)، پھتروں (پتھروں)، جن نے (جس نے)، کیتیں (کو)، لاگا (لگا)' وغیرہ بہت اہم ہیں۔

میرؔ وسوداؔ کے ہاں وہ قدیم متروک الفاظ بھی مستعمل ہیں۔ لیکن ان قدیم اور متروک الفاظ کو اصلاح یافتہ صورت بھی پیش کیا ہے۔ ان الفاظ میں 'آگو (آگے)، قلابا (قلابہ)، پیچھو (پیچھے)، تدھر (ادھر) لیکن تابع مہمل کی صورت میں 'جدھر تدھر' اب بھی استعمال کی جاتی ہے، ملیاں (ملیں)، اس کے گئے (اس کے جانے کے بعد)، تیں (تُو، تُونے) ارنہ (وگرنہ، ورنہ)، ان نے (اس نے)، یاتیئں (یاں تک)، کریو (کیجیو، کرنا)، جدی (جدا) رون (رونا)، اپر (اوپر)، کسو (کسی)، اودھر (اُدھر)، بات (بتا)، کبھو (کبھی)، کنے (پاس)، بآں کہ (باوجود یکہ)، نشا (نشہ)، تجھ تئیں (تجھ تک)، لیک (لیکن)، پھتروں (پتھروں)، جن نے (جس نے)، کیتیں (کو)، لاگا (لگا)' وغیرہ بہت اہم ہیں۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

مندرجہ بالاالفاظ میں سے بعض سرائیکی اورپنجابی زبانوں میں اسی صورت میں یامعمولی سے ردوبدل کے ساتھ اب بھی استعمال ہوتے ہیں، جیسے: اگو، پچھّو، ملیاں، روون، تیں، تئیں، کنے، کیتے وغیرہ (سرائیکی)، رون (پنجابی) وغیرہ۔

شیخ امام بخش ناسخ (وفات ۱۸۳۸ء) اور خواجہ حیدر علی آتش (وفات ۱۸۴۷ء) کے ہاں تازہ گوئی کے رجحان ملتا ہے۔ نئے گروہ کے نمائندہ "جرات، مصحفی، انشاء اور رنگین" جیسے شعرا کو کہا جاسکتا ہے۔ ان شعرا نے میر و سودا کی روایت کے برعکس قدیم الفاظ و محاورات ترک کر کے الفاظ کی ساخت پر خاص توجہ دی۔ غیر موزوں الفاظ کو ترک کر دیا، جیسے: ٹک، انکھڑیاں، جنہوں کے، ایدھر، اودھر، شماریں، ہووے، آوے، جاوے، پاوے، تس پر، لیویں، دیویں، اونے، کی سی طرح، وے، لوٹوں ہوں، ہیاں، یھاں، تانا، گل لالا، چینٹی، سیو، شولا، برقا، سفیل، لڑکائی، کہلائے ہے، سمجھائے جائے ہے، خفاہووے گا، کیے ہی بنی، آئیاں، ساریاں، لاچاریاں وغیرہ۔ ناسخ کی شاعری کے لسانیاتی مطالعے سے نمایاں ہوتا ہے۔ انھوں نے صحتِ زبان پر بہت زور دیا جس کے اثرات نے دہلی کے لسانیاتی منظر نامے کو بھی متاثر کیا۔

نظیر اکبر آبادی (۱۷۳۵ء سے ۱۸۳۰ء) جیسے عوامی اور عہد ساز شاعر کے سوا اس عہد کی معاشرتی اور معاشی صورت کو باریک بینی اور گہرائی سے نظیر اکبر آبادی کے علاوہ شاید ہی کوئی شاعر اس انداز میں بیان کر سکا ہو۔ ایسا ذخیرہ الفاظ اردو کے کسی دوسرے شاعر کے پاس نہیں۔

ڈاکٹر جمیل جالبی نے نظیر اکبر آبادی کی شاعری میں ذخیرۂ الفاظ کے ضمن تحریر کیا ہے:

> "نظیر نے جتنے الفاظ استعمال کیے ہیں اتنے الفاظ کسی اردو شاعر حتیٰ کہ میر انیس نے بھی استعمال نہیں کیے۔ انہوں نے سینکڑوں الفاظ اپنے گرد و پیش زبانوں اور بولیوں سے لے کر اردو زبان میں ایسے ٹانک دیئے ہیں کہ وہ آج اس زبان کا حصہ بن گئے ہیں۔ لفظوں کی سطح پر یہ کام بہت کم شاعروں نے کیا ہے۔"[11]

مگر ڈاکٹر جمل جالبی نے زبانوں اور بولیوں کے ناموں کا ذکر نہیں۔

حوالہ و حواشی:

1۔ محمد حسین زرگر، اردو اور ہندی کا لسانی اشتراک (صوتیات و لفظیات کی سطح پر)، مقالہ مملوکہ: شعبۂ اُردو کشمیر یونیورسٹی، حضرت بل سرینگر، 2008ء، ص4
2۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، اُردو زبان اور لسانیات، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، 2007ء، ص39
3۔ احتشام حسین، سید، اردو کی کہانی، نئی دہلی، ترقی اردو بیورو، 1980، ص31
4۔ عبدالغفور ساہی، اُردو میں لسانیات کے مباحث، مقالۂ مملوکہ: لاہور، شعبۂ اُردو جی سی یونیورسٹی، لاہور، س۔ن، ص48
5۔ محمد اشرف کمال، ڈاکٹر، لسانیات اور زبان کی تشکیل، فیصل آباد، مثال پبلشرز، س۔ن، ص76
6۔ عبدالغفور ساہی، اُردو میں لسانیات کے مباحث، مقالۂ مملوکہ: لاہور، شعبۂ اُردو جی سی یونیورسٹی، لاہور، س۔ن،، ص51
7۔ اُردو زبان کا ارتقا، شوکت سبزواری، ڈاکٹر، دہلی، محبوب المطابع برقی پریس، س۔ن، ص96
8۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، 2013، ص188
9۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، اُردو زبان اور لسانیات، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، 2007ء، ص46-45
10۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو (جلد اول)، لاہور مجلس ترقی اردو، 2009ء، ص351
11۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو (جلد سوم)، لاہور، انجمن ترقی اردو، 2008ء، ص1019